سلگتا بلوچستان: پس منظر اور صورت حال

مولانا عبدالحق ہاشمی

بلوچستان، پاکستان کا چوتھا اور رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہ کُل پاکستان کا تقریباً ۴۴ فی صد ہے۔ اس اعتبار سے یہ نصف پاکستان کہلانے کا مستحق ہے۔ اپنے منفرد محلِ وقوع کے باعث اس کی جغرافیائی اہمیّت میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ دنیا کے مغرب کو مشرق سے ملانے اور وسط ایشیا کے ذخائرِ توانائی کو مغربی منڈیوں تک پہنچانے کا مختصر راستہ فراہم کرتا ہے۔ اس کی طویل سرحدیں افغانستان اور ایران کے ساتھ ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ بلوچستان کو بے بہا معدنی دولت اور وسائلِ حیات سے سرفراز کیا ہے۔

بلوچستان میں حالیہ شورش، اضطراب اور بدامنی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اس کے پس منظر کو جاننے کے لیے یہ نکات پیش نظر رہیں تو صورتِ حال کا ادراک کرنا آسان ہوسکتا ہے:

—— بلوچستان کے علاقے سوئی سے معدنی گیس ۱۹۵۳ء میں دریافت ہوئی۔ چند ہی برسوں میں یہ گیس لاہور، اسلام آباد اور پشاور تک پہنچا دی گئی لیکن صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں یہ گیس ۳۲ سال بعد ۱۹۸۵ء میں پہنچ سکی۔ بلوچستان کے کئی چھوٹے بڑے شہر آج تک اس معدنی دولت سے محروم ہیں، بلکہ خود سوئی شہر کے کئی محلے اور آبادیاں بھی اس نعمت کو ترس رہی ہیں۔

—— بلوچستان سے نکلنے والی معدنی گیس کی فی مکعب فٹ قیمت دوسرے صوبوں سے دریافت ہونے والی گیس کے مقابلے میں کم رکھی گئی۔ یہ قیمت حالیہ قومی مالیاتی ایوارڈ میں یکساں کی گئی۔ اس طرح صوبے کا تقریباً نصف صدی تک استحصال جاری رکھا گیا۔

—— وفاقی ملازمتوں میں بلوچستان کا کوٹہ صرف ۳ء۳ فی صد تھا جسے چند ماہ پیش تر بڑھا کر

۵ فی صد کر دیا گیا ہے، لیکن اکثر ان ملازمتوں کو دوسرے صوبوں کے افراد سے پُر کرلیا جاتا ہے۔

—— اکثر علاقوں میں پرائمری اسکول نہ ہونے کے باعث بلوچستان کے ۴۵ فی صد سے بھی کچھ کم بچے پرائمری اسکولوں میں داخل ہو پاتے ہیں۔ ہائی اسکول اور کالج کی سطح پر تعلیم کا اس سے بھی بُرا حال ہے۔ اسی بنا پر بلوچستان میں شرح خواندگی پورے ملک میں سب سے کم ہے۔ سرکاری اعداد و شمار میں ۳۶ فی صد لیکن حقیقت میں اس سے بھی بہت نیچے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے پورے صوبے کا انحصار صرف صوبائی دارالحکومت کوئٹہ پر ہے۔

—— بلوچستان میں پینے کے صاف پانی تک صرف ۲۳ فی صد آبادی کو رسائی حاصل ہے، جب کہ ملک کے دوسرے صوبوں میں یہ شرح ۵۵ فی صد کے قریب ہے۔ صوبے میں آج بھی ایسی لاتعداد آبادیاں موجود ہیں، جہاں انسان اور مویشی ایک ہی تالاب سے مہینوں پرانا پانی پیتے ہیں۔ اسی بنا پر بلوچستان میں کالے یرقان کی شرح پورے ملک میں سب سے زیادہ ہے۔

—— سینی ٹیشن کی سہولت بلوچستان میں صرف ۱۸ فی صد لوگوں کو میسر ہے۔

—— بجلی صوبے کے ۱۲ فی صد علاقے تک پہنچ پائی ہے، اور گیس کی سہولت والا علاقہ ۵ فی صد سے زائد نہیں۔ گویا صوبے کا ۸۸ فی صد بجلی سے اور ۹۵ فی صد گیس سے محروم ہے۔

—— مواصلات کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ صرف پانچ شاہراہوں سے مستفید ہو رہا ہے۔ ان شاہراہوں کی حالت بھی سخت ناگفتہ بہ ہے، جب کہ بین الاضلاعی سڑکیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

—— صوبے میں صحت کے معیار کا حال یہ ہے کہ ۳۱ اضلاع میں ماسوائے کوئٹہ، کہیں بھی متوسط درجے کی سہولتوں کے حامل ہسپتال نہیں پائے جاتے۔ پورے صوبے کے علاوہ جنوب غربی افغانستان کے پانچ چھے شہروں کا بوجھ بھی کوئٹہ شہر کے چند ہسپتال برداشت کر رہے ہیں۔ دُور دراز سے بغرض علاج کوئٹہ تک کا سفر نہایت پُرصعوبت ہونے کے باعث بہت سے مریضوں بالخصوص حاملہ عورتوں کی اموات کا سبب بنتا ہے۔ دورانِ حمل اور زچگی کی حالت میں خواتین کی اموات بلوچستان میں سب سے زیادہ ریکارڈ کی جاتی ہیں۔

—— صوبے کے اعلیٰ انتظامی عہدے، مثلاً: آئی جی پولیس، ڈی آئی جی، آئی جی ایف

سی، چیف سیکرٹری وغیرہ، نیز اعلیٰ آئینی عہدہ، گورنر صوبہ کے لیے غیر بلوچستانی لوگوں کو تعینات کیا جاتا رہا۔ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ آج تک یہ صورت حال برقرار ہے۔ اسے صوبے کے سیاسی و عوامی حلقوں میں وفاق کی طرف سے بے اعتمادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

—— بلوچستان کے کم از کم چھے اضلاع (گوادر، تربت، پنج گور، خاران، واشک، چاغی) ایسے ہیں جہاں بنیادی اشیاے ضرورت اور روز مرہ استعمال کی اشیا ناپختہ اور طویل مسافتوں کے باعث پاکستانی منڈیوں سے نہیں پہنچائی جاسکتیں۔ ان اضلاع کے لوگوں کی زندگی کا انحصار ہمسایہ ملک ایران کے ساتھ سرحدی تجارت پر قائم ہے۔ شکر، انڈے اور آٹا تک ایران سے لانا پڑتا ہے۔ کسی وجہ سے یہ تجارت رک جائے تو زندگی مفلوج اور لوگوں کو قحط کا سامنا ہوجاتا ہے، مگر اس کے باوجود پاکستان کی وفاقی ایجنسیوں (کسٹم، ایف آئی اے وغیرہ) کو یہ تجارت پسند نہیں۔ ان ایجنسیوں اور ایف سی کی فائرنگ سے آئے دن ہلاکتیں ہوتی رہتی ہیں۔

یہ وہ چند اہم عوامل ہیں جنھوں نے اہلِ بلوچستان کو وفاق سے بدظن اور دُور لا کھڑا کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوبے کی اس بدحالی اور پس ماندگی میں خود بلوچستان کے سردار و نواب، بدعنوان سیاست دان، نااہل حکومتیں اور سول و فوجی بیورو کریسی پوری طرح شریک رہی ہیں۔ لیکن وفاقی اداروں کی بے توجہی اور استحصالی کردار بھی اتنا واضح ہے کہ انھیں بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حقیقت یہی ہے کہ عسکری کارروائی مسئلے کا حل نہیں ورنہ شاید پہلے آپریشن میں ہی مسئلہ حل ہوچکا ہوتا اور ۲۰۰۵ء میں پانچویں فوجی آپریشن کی ضرورت پیش نہ آتی۔

میگا پروجیکٹس اور اُن کی مخالفت

بلوچستان کے بڑے منصوبوں (میگا پراجیکٹس) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان بڑے منصوبوں میں گوادر میں گہرے سمندر کی بندرگاہ، گوادر تا چمن تا وسط ایشیا ریلوے لائن اور شاہراہ کی تعمیر، ریکوڈک اور سینڈک میں سونے اور تانبے کا اخراج، دل بند کے مقام پر لوہے کی دریافت، ایران، پاکستان، بھارت گیس پائپ لائن، چمالنگ میں کوئلے کے لیے کان کنی، اور اب ترکمانستان، افغانستان، پاکستان، بھارت گیس پائپ لائن کی تنصیب کے علاوہ بھی کچھ منصوبے شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک منصوبہ ٹھیکے دار کمپنیوں کے ساتھ معدنی جنس کی دریافت سے لے کر فروختگی تک

مختلف معاہدات کی بے شمار تفصیلات رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ تفصیلات معلومات افزا ہیں، تاہم ان کا احاطہ کرنا اس وقت ممکن نہیں۔

—— ان منصوبوں کے بارے میں بلوچستان کے تمام سیاسی و سماجی حلقے بشمول قوم پرست اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ان کی دریافت، اخراج اور تجارت پر صوبے کا حق فائق ہے۔

—— گوادر پورٹ کو چلانے، سینڈک اور ریکوڈک سے سونا اور تانبا نکالنے کے حوالے سے وفاق نے اب تک جو معاہدات کیے ہیں اُن میں بلوچستان کو مشاورت میں شریک نہیں کیا گیا۔

اس اصول کی بنا پر بلوچستان کی حالیہ حکومت نے نہ صرف گوادر پورٹ کا حقِ نگرانی وفاق سے واپس حاصل کرلیا بلکہ ریکوڈک اور وفاق کے درمیان معاہدے کو بھی مسترد کردیا ہے۔ صوبائی حکومت نے قومی مالیاتی و ترقیاتی ادارے کے گذشتہ اجلاس سے ریکوڈک کے نئے منصوبے کی منظوری بھی حاصل کرلی ہے اور وفاق نے یہ منصوبہ صوبائی حکومت کے سپرد کردیا ہے۔ البتہ اس وقت یہ معاملہ سپریم کورٹ کے ازخود نوٹس کے تحت اُس کے ایک بنچ کے سامنے زیرسماعت ہے۔ پاکستان کے مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے ریکوڈک کے ذخائر کو صوبے اور ملک کے لیے نہایت قیمتی سرمایہ قرار دیا ہے اور انھیں خود ملکی سطح پر نکالنے کے عزم کا بھی اظہار کیا ہے۔

ایران، پاکستان، بھارت گیس پائپ لائن کے بارے میں مرکزی حکومت کا ابتدائی موقف یہ تھا کہ اس کی گیس بلوچستان کے کسی علاقے کو نہیں دی جائے گی، بلکہ اسے نیشنل لائن سے جوڑا جائے گا۔ اس بے حکمت موقف کے سامنے آنے پر بلوچستان سے اس پائپ لائن کے تحفظ پر دھمکی آمیز انتباہ جاری کیا گیا۔ ان دھمکیوں کے بعد ہی مرکزی حکومت نے اپنے موقف میں تبدیلی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پائپ لائن کے راستے میں موجود آبادیوں کو یہ گیس فراہم کی جائے گی۔ البتہ تاحال اس منصوبے کے پاکستانی حصے پر کاغذات سے نکل کر برسرِ زمین کام شروع نہیں کیا جاسکا۔

بلوچستان کا ایک سخت گیر حلقہ ان منصوبوں کو لوٹ کھسوٹ اور بلوچ وسائل پر قبضہ گیری سے تعبیر کرتا ہے۔ بالخصوص گوادر بندرگاہ کی مخالفت میں یہ دلیل بھی دی جاتی رہی کہ اس منصوبے سے بلوچ اپنے ہی علاقے میں اقلیت بن جائیں گے۔ بیرونِ صوبہ سے سرمایہ کار، ہنرمند اور مزدور گوادر کی ترقی کے لیے اتنی بڑی تعداد میں لائے جائیں گے کہ مقامی آبادی اُن میں گم ہوکر رہ جائے گی۔

اب اس مخالفت میں تشدد کا عنصر بھی شامل ہوگیا ہے۔ دوسری طرف ان کے تدارک کے لیے حکومتی کوششیں محض رسمی کارروائی ہیں۔

بلوچستان میں بیرونی مداخلت

صوبے میں جاری تشویش اور بدامنی کے ضمن میں بیرونی مداخلت کی بات مرکزی وصوبائی حکومتوں کے ساتھ ساتھ متعدد سیکورٹی ادارے بھی تواتر سے کر رہے ہیں۔ فی الواقع یہ مسئلہ عوام اور سیاسی جماعتوں سے زیادہ خفیہ اداروں کے دائرۂ فرائض میں آتا ہے۔ وہی اس مداخلت کا کھوج لگانے اور اس کا سدِ باب کرنے کے ذمہ دار ہیں، لیکن اُن کی طرف سے غفلت برتی جارہی ہے۔

تاریخی وجغرافیائی تجزیے کے دوران بیرونی مداخلت کے ضمن میں امریکا، بھارت، روس، ایران اور عرب امارات کا نام لیا جاتا ہے۔ ہر ایک ملک کی مداخلت کے لیے وجہِ جواز کے طور پر کئی عوامل بھی پیش کیے جاتے ہیں، البتہ امریکا و بھارت کی مداخلت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ وسط ایشیائی ریاستوں کو بلوچستان کا تجارتی راستہ مل جانے کی صورت میں روس کی اہمیت بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ امریکا خطے میں چین کے اثر ورسوخ کو برداشت نہیں کرسکتا اور بھارت کی ازلی دشمنی کا اظہار ناروا مداخلت کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ تاہم، کچھ حلقوں کا تجزیہ ہے کہ گوادر پورٹ کی فعالیت سے چاہ بہار، بندرعباس اور دبئی کی بندرگاہیں غیر مؤثر ہونے کا قوی امکان موجود ہے۔

ٹارگٹ کلنگ، لاپتا افراد اور مسخ شدہ لاشیں

جنرل پرویز مشرف کے دورِحکومت میں بلوچستان کے حالات میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ ابتدا میں قومی تنصیبات پر حملے کیے جاتے تھے۔ بیوروکریسی کی سرپرستی میں تخریبی عناصر کو بھتوں کی ادایگی کے بعد حملے رُک جاتے۔ کچھ عرصے بعد دوبارہ یہ سلسلہ عود کر آتا، بالآخر پالیسی کی تبدیلی کے ساتھ معاملہ کھلی جنگ کی صورت اختیار کر گیا اور سرکاری ایجنسیوں کے اہل کاروں کی ٹارگٹ کلنگ شروع ہوگئی۔ اسی دوران ۲۰۰۷ء میں نواب محمد اکبر خان بگٹی کو ہلاک کردیا گیا۔ اس اندوہناک واقعے کے بعد جگہ جگہ شورش پھوٹ پڑی۔ اس قتل کو 'پنجابی حملہ' قرار دیا گیا اور بلوچستان سمیت کوئٹہ میں پنجابی اور اُردو بولنے والے صدیوں سے آباد افراد پر حملے شروع ہوگئے۔ ۲۰۰۷ء سے لے کر ۲۰۱۰ء تک سیکڑوں آبادکار بے دردی سے ٹارگٹ بنا کر قتل کیے گئے۔ ہزاروں

گھرانے خوف و ہراس کا شکار ہو کر نقل مکانی کر گئے۔ ان آبادکار مقتولین میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، پیشہ ورانہ ماہرین، اساتذہ، صحافی، ڈاکٹر، انجینیر، سیاست دان اور مزدور شامل تھے۔ انتظامی مشینری پولیس، لیویز اور دوسرے سیکورٹی ادارے مکمل طور پر ناکام رہے اور ٹارگٹ کلنگ روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس عرصے میں صوبے کے تین آئی جی پولیس اور اتنے ہی آئی جی ایف سی تبدیل کیے گئے۔ ان واقعات کی ذمہ داری چار علیحدگی پسند مسلح تنظیمیں قبول کرتی ہیں جن کا سراغ نہ لگایا جاسکا۔

ان پُرآشوب برسوں میں اغوا نما گرفتاریوں کے ذریعے لوگوں کو غائب کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلوچستان میں گم شدہ افراد کے لیے قائم تنظیم (وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز) نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے گیارہ سو سے زائد لاپتا افراد کی فہرست اُس حکومتی کمیشن کے حوالے کی ہے جو ان کی بازیابی کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کمیشن نے اپنے قیام یکم مئی ۲۰۱۰ء سے لے کر اب تک صرف ۲۲۵ کیس نمٹائے ہیں جن میں بلوچستان کے محض ۲۳ افراد ہیں۔

حکومت بلوچستان، انتظامیہ کے افسران اور آئی جی ایف سی، ایک ہزار سے زائد افراد کی فہرست کو مبالغے پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اس فہرست میں کئی ایک فرضی نام ہیں، یا وہ مزاحمتی تنظیموں کی طرف سے افغانستان ٹریننگ کے لیے جاچکے ہیں۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان گم شدہ افراد کے اغوا یا گرفتاری کی ذمہ داری کوئی حکومتی ادارہ یا مسلح تنظیم قبول کرنے کو تیار نہیں۔

مزید یہ کہ گذشتہ چھے ماہ سے بعض لاپتا افراد کی مسخ شدہ لاشیں ویرانوں سے ملنا شروع ہوگئی ہیں۔ ان کو سر میں گولی ماری گئی تھی یا جسمانی تعذیب کے ذریعے قتل کیا گیا تھا۔ ان میں مزاحمتی تنظیموں کے اہم لوگ اور قوم پرست سیاسی جماعتوں کے کلیدی رہنما بھی شامل ہیں۔ قوم پرست اس کارروائی کا سارا الزام خفیہ ایجنسیوں پر لگاتے ہیں۔ اس دوران میں چند نئی مسلح تنظیمیں بھی سامنے آئی ہیں جنھوں نے ان لاپتا افراد کے قتل کی ذمہ داری یہ کہہ کر قبول کی ہے کہ یہ لوگ وطن دشمن اور بے گناہوں کے قاتل تھے، لہٰذا ہم نے انھیں بطور سزا اغوا کر کے ہلاک کر دیا ہے۔ قوم پرست جماعتیں اور مزاحمتی تنظیمیں اس عمل کو بھی حکومت اور فوج کی سازش قرار دیتی ہیں۔ آبادکاروں کے قتل کے بعد ٹارگٹ کلنگ کا یہ ایک نیا رُخ ہے جس میں بلوچ لیڈرشپ نشانہ بن رہی ہے۔ یہاں تک کہ بلوچستان کے گورنر اور وزیراعلیٰ دونوں پر قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔

علیحدگی پسندی کا رجحان

اس وقت صوبے کے بلوچ اضلاع میں علیحدگی پسندی کی تحریک پائی جاتی ہے۔خفیہ ایجنسیوں کے پیچیدہ کردار اور حکومت کی غیرحکیمانہ روش کے باعث دُوریاں بڑھ رہی ہیں۔ بزورِ قوت معاملات کنٹرول کرنے کی پالیسی تناؤ میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔حکومت 'آغازِ حقوق بلوچستان' جیسے نمایشی اقدامات کر کے مطمئن ہے کہ مسئلہ بلوچستان حل ہوگیا ہے، بالخصوص نوجوانوں اور خواتین میں اس فکر کے اثرات بڑھتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ملکی اداروں اور مختلف شعبوں میں پنجاب کی واضح نمایندگی کے باعث مقتدرہ کو 'پنجابی' کی نسبت کے ساتھ ہی یاد کیا جاتا ہے۔

صوبے کے پشتون اضلاع میں یہ تحریک نہیں پائی جاتی اور وہاں امن وامان کی کیفیت بھی خاصی بہتر ہے۔البتہ پشتون قوم پرستوں کی جانب سے اس تحریک کو ایک خاموش حمایت حاصل ہے، اگرچہ مزعومہ آزاد علاقوں کا جغرافیہ پشتون و بلوچ قوم پرستوں کے درمیان سخت متنازع ہے اور کوئٹہ شہر پر طرفین کا دعویٰ اس نزاع کا بنیادی سبب ہے۔خود بلوچ قومیتیں بھی بہت زیادہ تقسیم کا شکار ہیں۔قبائل کی باہمی دشمنیاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔سیاسی بلوچ قوت، نوابی وسرداری نظام کی حمایت اور اس کی مخالفت کے اصول پر منقسم ہے۔اسی طرح اپنے مقاصد اور حقوق کے حصول کے لیے سیاسی جدوجہد یا ریاست کے ساتھ مسلح ٹکراؤ کا نظریہ بھی باہمی اختلاف کا باعث ہے۔

سیاسی و سماجی اندازِ فکر

فکری اور تنظیمی دائرۂ کار کے لحاظ سے بلوچستان کی سیاسی جماعتیں دو طرح کی ہیں۔ایک تو وہ جماعتیں ہیں جن پر علاقائی اور محدود قومی سیاست کا غلبہ ہے، جب کہ دوسری وہ ہیں جو ملک گیر سیاست میں سرگرم ہیں اور بلوچستان کے مسائل پر بھی اپنا نقطۂ نظر رکھتی ہیں۔ اوّل الذکر میں جناب محمود خان اچکزئی کی نیشنل پارٹی نمایاں ہے، جب کہ ثانی الذکر میں پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن)، مسلم لیگ (ق)، جمعیت علماے اسلام اور جماعت اسلامی قابلِ ذکر ہیں۔

خوش آیند بات یہ ہے کہ یہ سب جماعتیں سیاسی جدوجہد پر یقین رکھتی ہیں اور گفت وشنید اور آئینی اقدامات کے ذریعے مسائل کے حل کی قائل ہیں۔ملکی آئین کے مطابق انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ یہ تمام قومی وصوبائی جماعتیں قطعاً ملکی سالمیت کے خلاف نہیں، البتہ پشتون خواہ ملّی

عوامی پارٹی ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے مطابق پاکستان میں موجود قومیتوں کے درمیان ایک نئے عمرانی معاہدے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کے خیال میں موجودہ آئین قومیتوں کے حقوق اور تشخص کی حفاظت میں ناکام ہوگیا ہے۔ اس موقف کو اگرچہ 'پونم' کی بیش تر جماعتوں کی حمایت حاصل ہے، تاہم حیرت ہے کہ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے وزیراعلیٰ بلوچستان نواب اسلم رئیسانی بھی بڑے شدّومد سے اس مطالبے کا اظہار کرچکے ہیں۔ اسی طرح سردار اختر مینگل کی جماعت کشمیر کی مانند 'حق خود ارادیت' کا تقاضا کرتی ہے۔ غالباً اس مطالبے کے پس منظر میں بلوچستان کے پاکستان کے ساتھ الحاق کو متنازع نظر سے دیکھنا ہے۔

ہر صوبائی جماعت کے اپنے زاویۂ نظر اور مخصوص طرزِ سیاست کے باوجود، یہ سب جماعتیں وفاقی پارلیمانی نظام کو درست سمجھتی ہیں، تاہم اس نظام میں اصلاحات کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ صلح جُو رویہ وفاق کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ چنانچہ وفاق کو اس اثاثے کے تحفظ کی فکر کرنی چاہیے اور انھیں ردعمل کی طرف دھکیلنے والے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے۔

صوبائی جماعتوں کے بالمقابل ملک گیر سیاسی و دینی جماعتوں کی خوبی یہ ہے کہ بلوچستان میں اُن کا اثرونفوذ بلوچ و پشتون سمیت دیگر تمام قومیتوں میں پایا جاتا ہے۔ بہت بااثر قبائلی شخصیات علما، دانش ور اور صحافی ان پارٹیوں میں شامل ہیں۔ ان کے وابستگان میں علیحدگی پسندی یا شدت آمیز فکری عنصر نہیں پایا جاتا۔ دوسری طرف صوبے میں غیر سیاسی معتدل مزاج اور امن پسند عناصر ایک بڑی اکثریت کی صورت میں موجود ہیں۔ صوبے کی تقسیم یا علیحدگی جیسے خیالات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔

مسئلے کے حل کے لیے سفارشات

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس سارے پیچیدہ اور گنجلک ماحول میں سلجھاؤ کی کوئی معتبر کوشش نظر نہیں آرہی۔ فرائضِ منصبی کے لحاظ سے پارلیمان، مرکزی و صوبائی حکومتیں، عسکری ادارے، انٹیلی جنس ایجنسیاں نہ جانے کیوں معاملے کی حساسیت کا ادراک نہیں کر رہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خطے میں موجود بڑی استعماری قوت امریکا، پوری پاکستانی مشینری کو اپنے نقشۂ کار کے مطابق چلنے پر مجبور کیے ہوئے ہے۔ بھارت و اسرائیل اُسی کی سرپرستی میں افغانستان میں براجمان ہیں اور ایرانی و پاکستانی بلوچستان میں آزادی اور فرقہ پرستی کی فکر کو فروغ دے رہے ہیں۔

پاکستان مخالف قوتیں اس فضا کو اسی وقت اپنے مفاد میں استعمال کر سکتی ہیں جب ان کے لیے حالات سازگار اور بگاڑ موجود ہو، اور مسائل کو بروقت اور صحیح طریقے پر حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے، اور یہ سمجھ لیا جائے کہ بس قوت کے ذریعے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا مسئلے کے پُرامن اور دیرپا حل کے لیے درج ذیل امور پیش نظر رہنے چاہییں:

— اس ضمن میں بنیادی بات جو ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ استحکامِ پاکستان کی اساس و بنیاد اسلام ہے۔ اسلام کے نام پر ہی یہ ملک بنا تھا اور لوگوں نے عظیم قربانیاں دی تھیں۔ اگر نظریہ پاکستان کو بنیاد نہ بنایا جائے تو پھر اس ملک کی یک جہتی، استحکام اور سالمیت خطرے میں پڑسکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں قومیت، علاقائیت، عصبیت اور لسانیت کو فروغ ملے گا اور ملکی استحکام کی مشترکہ اساس منہدم ہو کر رہ جائے گی۔ پھر ہر قومیت اور ہر صوبہ اپنے مفادات کو ترجیح دے گا اور مقدم رکھے گا۔ لہٰذا بلوچستان کی پریشان کن صورت حال کا تقاضا ہے کہ اسلام اور نظریۂ پاکستان کی فکر کا احیا کیا جائے اور لوگوں کو مشترکہ اساس اور دین وایمان کے بنیادی تقاضوں اور اخوت و ایثار کے جذبے کی طرف مؤثر اور بھرپور انداز میں دعوت دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ قومیت کے استحصال کے خاتمے اور صوبے کے جائز حقوق ترجیحی بنیادوں پر دیے جائیں۔ تمام اسلام پسند اور محبِ وطن عناصر کو اس کے لیے بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

— مسئلے کا فوجی حل ممکن نہیں۔ مسئلہ سیاسی ہے اور اس کا حل بھی سیاسی ہی ہوسکتا ہے۔

— تمام متعلقہ عناصر کو افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کرنا ہوگا، اور کوشش کرنا ہوگی کہ مکمل اتفاق راے اور بصورت دیگر اکثریت کے مشورے سے معاملات کو طے کیا جائے۔

— یہ اصول تسلیم کیا جانا چاہیے کہ محض 'مضبوط مرکز' کا فلسفہ غلط اور انصاف کے اصول کے منافی ہے۔ 'مضبوط مرکز' اسی وقت ممکن ہے جب صوبے مضبوط ہوں اور کامل ہم آہنگی سے ایک دوسرے کے لیے مضبوطی کا ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔

— اس سلسلے میں فوج کا کردار بھی اہم مسئلہ ہے۔ فوج کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف دفاعِ وطن کی ذمہ داری سول حکمرانی کے تحت انجام دے۔ ساری خرابیوں کی جڑ سیاسی اور اجتماعی معاملات میں فوج کی مداخلت اور ایک مقتدر سیاسی قوت بن جانا ہے۔ چھاؤنیوں

کی ضرورت اگر ملک کے دفاع اور سلامتی کے لیے ہے تو وہ مسئلہ میرٹ پر طے ہونا چاہیے، لیکن اگر لوگوں کو یہ خطرہ ہو کہ یہ چھاؤنیاں سول نظام کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے ہیں تو پھر اس کے نتیجے میں سول عناصر اور فوجی قوت کے درمیان کش مکش ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تحکمانہ انداز بگاڑ پیدا کرتا ہے، اس سے خیر [illegible]ں۔ اس سے لازماً اجتناب کیا جانا چاہیے۔

—— بلوچستان کی کشیدہ فضا اور پاکستان گریز ماحول کو سازگار بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر وسیع القلبی، غم خواری اور سخاوت و فیاضی کا رویّہ اپنانے کی ضرورت ہوگی۔ اس بنیاد پر کچھ آئینی و سماجی اقدامات لازمی ہوں گے۔ این ایف سی اوارڈ میں تقسیم وسائل کے اصول کو مزید وسعت دے کر رقبے اور پس ماندگی کو نمایاں اہمیت دینا ہوگی۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں کنکرنٹ لسٹ کی صوبوں کو منتقلی ۱۰ سال بعد ہونا طے تھی، تاہم یہ کام اب ۳۷ برس بعد اٹھارھویں آئینی ترمیم کے ذریعے کیا گیا۔ اس پر خلوصِ نیت کے ساتھ فوری عمل درآمد کی ضرورت ہے تاکہ صوبائی خودمختاری کا تصور زیادہ نمایاں ہو سکے۔ اس سلسلے میں مزید آئینی اقدامات کی بھی ضرورت ہوگی۔

—— سیاسی فضا کو خوش گوار بنانے کے لیے ہر طرح کے عسکری تشدد کا راستہ بند کیا جائے، مذاکرات سے معاملات طے کیے جائیں، اور جو سیاسی کارکن گرفتار ہیں، ان کی رہائی کا اہتمام کیا جائے۔

—— صوبے کو اپنے وسائل پر اختیار دیا جائے اور مرکز سے جو وسائل منتقل ہوتے ہیں، ان میں انصاف اور ضرورت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں گیس اور معدنیات کی رائلٹی کو نئے فارمولے کی روشنی میں انصاف کے مطابق مقرر کیا جائے۔

—— معاشی ترقی کے ثمرات کو علاقے کے عوام تک پہنچانے کا بندوبست ہو۔ اس کے لیے معدنی وسائل کو دریافت کرنے اور ترقی دینے والی کمپنیوں سے جو معاہدے کیے جائیں، ان میں قومی مفادات کو ملحوظ رکھا جائے اور اپنی دولت غیرملکی کمپنیوں کے حوالے نہ کی جائے، بلوچستان کی ترقی اور تعلیم و صحت اور دوسری سہولتوں کو عوام تک پہنچانے میں استعمال کی جائے۔ امید ہے کہ ریکوڈک منصوبے کے بارے میں سپریم کورٹ سے مناسب فیصلہ آئے گا۔

—— صوبے میں تعلیم، صحت، پانی، بجلی اور گیس کی فراہمی وغیرہ کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور ملازمتوں پر مقامی آبادی اور صوبے کے لوگوں کو ترجیح دی جائے، اور یہ سب کام میرٹ کی بنیاد پر

انجام دینے کے لیے مقامی آبادی کی تعلیم' پیشہ ورانہ تربیت اور ہنر سکھانے کا انتظام کیا جائے۔

— فرنٹیئر کور اور کوسٹل گارڈ کو صرف ساحلی علاقوں اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے مختص کیا جائے اور ان کا سول کردار ختم کیا جائے، نیز اسمگلنگ روکنے کے نام پر جو ۵۰۰ سے زیادہ چوکیاں قائم کردی گئی ہیں' ان کو ختم کیا جائے۔ اسمگلنگ روکنے کا کام فرنٹیئر کانسٹیبلری اور کوسٹل گارڈ سے نہ لیا جائے بلکہ یہ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری ہو۔

— گوادر پورٹ کی اتھارٹی میں صوبے کو مناسب نمایندگی دی جائے' اس کی ترقی کے پورے پروگرام میں صوبے کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ علاقے کے لوگوں کو ان کا حق ملے' زمینوں پر باہر والے قبضہ کر کے علاقے کی شناخت کو تبدیل نہ کر دیں اور جو متاثرین ہیں ان کو قریب ترین علاقے میں آباد کیا جائے۔ نیز اراضی کے بڑے بڑے قطعے جس طرح فوج' نیوی اور دوسرے بااثر افراد اور اداروں نے ہتھیا لیے ہیں ان کو سختی سے روکا جائے اور انصاف پر مبنی شفاف انداز میں پورے علاقے کا ماسٹر پلان ازسرِنو تیار کیا جائے۔

یہی وہ راستہ ہے جس سے بلوچستان ہی نہیں' تمام صوبوں اور ملک کے سب علاقوں اور متاثرہ افراد کے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ یہ سب صرف اسی وقت ممکن ہے جب اصل فیصلے پارلیمنٹ میں ہوں، عوام کے مشورے سے ہوں، اور مکالمے کے ذریعے سیاسی معاملات کو طے کیا جائے۔ مخصوص مفادات اور فوجی اور سول مقتدرہ کی گرفت کو ختم کیا جائے، اور عوام اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جمہوری اداروں کے ذریعے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی کے تلخ تجربات سے عبرت حاصل کی جائے، پاکستان کی نظریاتی اساس، اسلام جو ملکی استحکام کی واحد بنیاد ہے کو مضبوط بنایا جائے اور بلوچستان کے مسائل کو منصفانہ بنیادوں پر فوری حل کیا جائے، نیز عوام کا استحصال فوری طور پر بند کیا جائے۔ عسکریت یا جبر کے بجائے مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعے مسائل کا حل نکالا جائے۔ بلوچستان کی خوش حالی اور استحکام، مستحکم پاکستان میں مضمر ہے نہ کہ علیحدگی پسندی میں۔ اہلِ بلوچستان اسلام پسند اور محبِ وطن ہیں۔ ان کے دل محبت، اخوت اور جذبۂ ایثار سے ہی جیتے جاسکتے ہیں۔

مولانا عبدالحق ہاشمی، جماعت اسلامی صوبہ بلوچستان کے سابق امیر ہیں۔